۷۸۶

افکارِ معظّم

۱۳۵۲ھ

من تصنیف

منشی محمد عمر صاحب خلیل رئیس کھنڈوہ

مقیم کراچی

سید سلطان حسن چشتی و نظامی مرادآبادی نے ہارون بلڈنگ

رام سوامی سے شائع کیا

اور

عبدالعزیز پرنٹر نے

عباسی لیتھو آرٹ پریس کیمبل اسٹریٹ کراچی میں چھاپا

قیمت پانچ آنے

3/-

دیباچہ

میں نے جب ہوش سنبھالا اور ایک استانی کے پاس الف۔ بے سیکھنے کیلئے بٹھایا گیا میری عمر چھ برس کی تھی۔ میں نے اپنے احباب سے سنا کہ میرے والد مجھے سات روز کا چھوڑ کر اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ اور میں اپنے مشفق و مہربان بھائیوں کے زیر سایہ پرورش پا رہا تھا۔ میرے بڑے بھائی محمد صاحب زیادہ تلطف فرماتے رہے۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے مجھے نہایت ناز و نعم سے پرورش کیا۔ چار سال تک عربی اور اردو کی تعلیم حاصل کرنیکے بعد مجھے ۱۸۹۶ء کے آغاز میں اسکول پہنچایا گیا۔ میں اس عمر میں اکثر اوقات محرم کے موقع پر سلام والوں کے گروہ میں بیٹھ جایا کرتا تھا۔ میرے استاد بھائی شمس الدین شمش کا بھی ایک گروہ ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ میں نے اس دوران میں ایک دو شعر لکھے ہوں۔ لیکن نہ مجھے کوئی شعر اس وقت کا یاد ہے نہ میں یقین کیساتھ کہہ سکتا ہوں۔ جب چار برس اردو پڑھائی کے ختم ہوئے تو پھر قرآن شریف پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد جب میں نے اس مرحلے کو طے کر لیا تو میرے بھائی صاحب نے فارسی پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ تین برس تک فارسی علم تحصیل کیا اور کتب فقہ اور اولیاء اکرام کے تذکرے دیکھا کیا۔ کبھی کبھی دواوین اور غزلیات کے مجموعے بھی

نظر سے گزرتے تھے۔ تین برس کے بعد میری عمر سترہ سال کی ہوگئی تو میرے خسر محمد یعقوب صاحب نے شادی کیلئے میرے بھائی صاحب کو مجبور کیا اور شادی ہوگئی۔ چونکہ میری عمر ابھی تجارت کرنیکے لائق نہ تھی اس لئے ہائی اسکول میں انگریزی حاصل کرنے کے لئے داخل کردیا۔ اس عرصے میں ایک مرتبہ اپنے بھائی صاحب کے ہمراہ اجمیر شریف جانے کا موقع نصیب ہوا۔ وہاں کی قوالی سبحان اللہ۔ دل کو ایسا حظ حاصل ہوا کہ خود غزلیات لکھنے کا ارادہ کرلیا۔

ایک مرتبہ میں نے ایک غزل نعتیہ لکھی۔ مشاعرے کے صدر مفتی عبدالقادر صاحب متخلص صدیقی دہلوی تھے۔ جن کا میں شاگرد تھا۔ اس غزل کا مطلع یہ تھا باقی غزل اسوقت یاد نہیں۔

مطلع

اوصاف مدینے کے زباں پر اگر آئیں
جنت کو ابھی چھوڑ کے حوریں اتر آئیں

اس مشاعرے کے دو ہفتے بعد جس مکان میں مشاعرہ ہوا تھا اس کا مالک انتقال کرگیا۔ اور مشاعرے کا تسلسل قائم نہ رہا۔ میں نے اس دوران میں بہت سی غزلیں لکھیں۔ اور لکھ لکھ کر اپنے پاس رکھتا گیا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ واقعی یہ نہایت قیمتی چیز ہے۔

میں نے چار برس تک بڑے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ جس چیز کی طلب ہوئی میرے لئے فراہم کردی گئی یا میں نے خود کرلی۔ اب مجھے اسکول سے اٹھالیا گیا۔ اور تجارت میں ڈال دیا۔ چاہتا تو بہت اچھی طرح اوقات گزاری کرسکتا تھا۔ لیکن میری وارفتگی

ایسی پابندی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ ہفتے میں چار روز دکانداری کرتا تو تین روز میر حاضری رہتی۔ اور یہ دن اپنے یار واحباب کے ساتھ نکال دیتا۔ دوست بھی خدا کے فضل وکرم سے اچھے بھلے شریک دسترخوان رہتے تھے۔ ان دنوں میں ایک دفعہ گھر بار چھوڑ کر اور درولیشی لیکر نربدا کے کنارے جا بیٹھا۔ لیکن دوسرے ہی روز میرے بھائی صاحب آموجود ہوئے اور سمجھا بجھا کر گھر لے گئے۔ طوعاً وکرہاً پھر سلسلۂ روزگار شروع کیا۔

ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ قصبے میں پلیگ کا زور ہوا اور میری رفیقۂ حیات اس کی نذر ہوگئی۔ ایک سال کے بعد میری بھابی صاحبہ نے ایک سورت سے میری شادی کے متعلق ذکر کیا۔ ایک ہی ہفتے میں ۱۲/۱۰ مقامات سے لڑکیوں کی موجودگی کی اطلاعیں آئیں۔ میری حالت تو اس قدر قابل التفات نہ تھی یہ سب میرے آباؤ اجداد کا رسوخ تھا۔ خدا کے فضل وکرم سے اب بھی اس گھر کا سب سے بڑا شخص سرپنچ مانا جاتا ہے چندی لعد میرے عزیزوں نے منشی عبدالرحیم صاحب کی صاحبزادی سے میری شادی کی تحریک کی۔

یہ منشی صاحب فارسی میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ حکمت سے بھی ذوق تھا۔ ان کے تین صاحبزادے بھی تھے ان کو بھی فارسی میں کافی استعداد تھی۔ انجام کار شادی عمل میں آئی اور ایک سال بعد خدا کے فضل وکرم سے اوّل ایک اور لعد ازاں دوسری لڑکی ہوئی۔ اس کے بعد ایک لڑکا ہوا۔ لیکن وہ صرف دو سال کی عمر لایا تھا۔ داغ مفارقت دے کر وہ چلتا بنا۔ اس صدمے سے میرا دل بہت اچاٹ ہوگیا۔ دوست واحباب

کے ساتھ رہنے کو زیادہ جی چاہنے لگا۔ جب میرے بھائی نے میری یہ حالت دیکھی تو مجھے کچھ زرِ نقد اور کچھ اسباب دیگر علیحدہ کر دیا۔

ان ایام کا میں کیا حال بیان کروں پہلے سال میں کل اخراجات نکال کے پانچ سات سو روپے پس انداز ہوا۔ میرے دل میں یہ بات مدتوں سے تھی کہ کسی اچھے کامل بزرگ کا مرید ہونا چاہیئے۔ ان دنوں میں دہلی کے ایک نہایت سن رسیدہ کامل بزرگ مانے جاتے تھے۔ جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں آتا۔ تعریف سُن سُن کر دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ ان حضرت کے سامنے دو زانو ہو کر کچھ حاصل کرنا چاہیئے۔ اور اُسی زمانے میں اجمیر شریف کا عرس بھی تھا۔ میں اللہ کا نام لیکر گھر سے چل پڑا۔ اجمیر شریف پہنچا تو وہاں چار روز کے بعد سُنا کہ یہاں حضرت پیر ابراہیم بغدادی تشریف لائے ہوئے ہیں پیران پیر کی اولاد سے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اب ان سے بڑھ کر اور کون پیر ہو سکتا ہے۔ یہ سوچ کر میں بھی صدق دل سے اور لوگوں کی طرح مرید ہو گیا چونکہ ان ایام میں میرا دل صاف تھا۔ کسی شب میں ایک مرتبہ کسی شب میں دو مرتبہ خواب میں زیارت سے مشرف ہو جایا کرتا تھا۔

ایک روز میں جنتی دروازے کی طرف بیٹھا ہوا درود شریف پڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کچھ اشعار لکھنا چاہیئے۔ چونکہ میری طبیعت شروع ہی سے بھولی شباہت والوں کی گرویدہ رہتی تھی یہ ایک شعر میری زبان سے ادا ہو گیا۔ ؎

دیدہ بازی کا نہیں لطف جو بینا کردے   شعلۂ روئے تجلّی ہمیں اندھا کردے

جو کیفیت اس شعر سے طاری ہوئی وہ لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی۔ نہیں معلوم کتنی دیر تک اس شعر کا اعادہ کرتا رہا اور روتا رہا۔ قبولیت دیکھئے کہ ابھی تک میں کسی سے سیدھی بات نہیں کرتا۔ کچھ روز قیام کرنے کے بعد میں اپنے وطن میں آیا اور بیوپار کرتا رہا۔ مذکورہ بالا شعر نے میرے دل کو کچھ ایسا مجروح کر دیا تھا کہ مجھے کبھی اپنے گھر رہنا پسند نہیں آیا کبھی بمبئی چلا گیا تو وہاں ایک سال نکال دیا۔ گھر آیا اور کبھی سال دو سال رہ کر پھر اجمیر شریف چلا گیا۔

ایک مرتبہ خیال آیا کہ ہر چیز ایک روز نہ ایک روز علیحدہ ہونے والی ہے پھر دنیا میں کون کس کا ہے۔ اس خیال کا دل میں سمانا تھا کہ میری وحشت نے پاؤں نکالا اور اس دفعہ مصمم ارادہ کر لیا کہ آزاد رہنا دنیا میں سب سے اچھا ہے۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ میں کچھ خرید و فروخت کرنے کے لئے اندور آیا تھا۔ وہاں طبیعت نہایت بے قابو ہو گئی۔ سامان خریدا اور گھر روانہ کر دیا۔ پچاس روپے میرے پاس باقی بچ گئے تھے سیدھا کراچی کا ٹکٹ لیا اور ادھر آ گیا۔ اس روز سے آج تک جس طرح میں نے زندگی گزاری ہے وہ یہاں کے افراد پر روشن ہے۔ اس لئے اس حصے کو بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

اپنے ایک ملنے والے رنگ صاحب لکھنوی سے سُنا کہ یہاں انجمن ترقی اُردو میں ہر مہینے کے آخری ہفتے میں مشاعرہ ہوا کرتا ہے۔ میں یہ سن کر خاموش ہو رہا۔ ان کی مہربانی تھی کہ مصرع طرح سنا دیا۔ میں نے اُسے اپنے ذہن میں رکھ لیا۔ جب

مشاعرے کا روز آیا میں بھی اپنی شکستہ حالی سے وہاں جا پہنچا۔ اور غزلیں سننے لگا۔ رنگ صاحب نے آدھا مشاعرہ ہونے کے بعد اپنا نام دیا تھا۔ اس لئے جناب کا نمبر آخر میں آیا۔ ان کے کھڑے ہوتے ہی میں نے چاہا کہ میں بھی کسی سے کہہ کر اپنی ٹوٹی پھوٹی غزل پڑھ دوں۔ میں ایک صاحب سے اپنا ارادہ ظاہر کر رہا تھا کہ ماسٹر ولایت حسین صاحب نے سُن لیا اور مجھ سے دریافت کیا "کیا بات ہے" میں نے اپنا نام شاعروں کی فہرست میں درج کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ رنگ صاحب پڑھ چکے "تو میرا نمبر بھی آیا جب یہ مطلع طرحی غزل کا پڑھا کل سامعین متعجب ہو گئے"۔

مطلع

اٹھاتا ہوں قلم جس وقت میں توحید یزدانی
ادب ہوتا ہے مانع منزل اسرار پنہانی

مشاعرہ میری غزل پر ختم ہو جانے کے بعد ہر ایک شخص اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسرے مشاعرے تک میرا بہت کچھ اچھا بُرا ذکر ہوتا رہا۔ اور جناب ڈاکٹر صدیقی صاحب سے بھی کسی نے کہہ دیا کہ ایک شکستہ حال خلیل نام کا ایک آدمی آیا ہوا ہے۔ وہ غزل لکھتا ہے اور اچھی لکھتا ہے۔ آئندہ مشاعرے کے لئے جو مصرع تجویز کیا گیا وہ یہ تھا۔ ع۔ خدا کا عشق ہے عشق مجازی بھی حقیقت میں۔ اس مصرع پر میں بھی اپنی غزل لکھ کر اور جیب میں ڈال کر شریک مشاعرہ ہوا۔ میرا نمبر آیا اور میں نے غزل پڑھی۔ جو کچھ بھی حالت ہوئی کل سامعین کو معلوم ہے

لیکن اتنا میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ کرم فرما ڈاکٹر صدیقی صاحب نے مجھے روکا۔ اور میرا حال احوال دریافت کرکے بہت کچھ اظہار ہمدردی کیا۔

تقریباً چھ سال میں نے یہاں کے مشاعروں میں شرکت کی۔ جب میرے پاس کچھ غزلیں جمع ہوگئیں تو قیام کراچی سے پہلے کی غزلوں کو یاد کرنا شروع کیا۔ اور گزشتہ غزلیات کے جو جو اشعار یاد تھے وہ یہاں پر لکھدئے۔

ماہران علم وارباب ذوق سخن لطف اندوز ہوں تو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ اور اگر کہیں نقص یا عیب نظر آئے تو چشم پوشی کریں شکر گزار ہونگا۔

غلام ہمت آں عاشقاں باکرم کہ

کہ یک صواب بہ بینند و صد خطا بخشند

احقر

ایم۔ یو۔ خلیل رئیس کھنڈوہ

مقیم کراچی

۲۸۶

تقریظ

ہم تو کہتے ہیں کہ ہے دشوار سی دشوار تر
لوگ سمجھے ہیں کہ فن شاعری آسان ہے

شاعر دنیا کا بہترین انسان مانا گیا ہے۔ ترجمان اسرار، پیغمبر الہام بمصورِ فطرت مصلح کائنات تلمیذ الرحمٰن۔ یہ سب اس کے خطابات ہیں۔ شاعر تمدن و معاشرت کی منزلوں کا رہنما۔ اور درس و تدریس کی محفلوں کا ساقی ہے۔ تہذیب و اخلاق کی دنیا میں "شاعر" کا ہمپایہ کوئی نہیں۔ ترقی یافتہ اور نمایاں لوگوں میں "شاعر" کا درجہ ہمیشہ بلند رہا ہے حتیٰ کہ سلف کے شاہی درباروں میں شعرا کی شخصیت وہ شخصیت شمار کیجاتی تھی کہ بادشاہِ وقت کے سامنے وہ جو کچھ کہہ جائے یا کر جائے کسی دوسرے کی ہمت اس کا ارادہ نہیں کر سکتی لیکن افسوس ہے کہ فی زمانا شاعری بد سے بدتر ہوگئی ہے۔ اور شعرا کو لوگ ذلیل نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ آجکل وہ کم پایہ لوگ بھی اپنے کو شاعر شمار کرنے لگے ہیں جو اس فن سے کوسوں دُور بلکہ اس کوچے سے قطعاً نابلد ہیں۔ اسی بات نے شاعر کا وقار عام نظروں میں قائم نہیں رہنے دیا۔ یہ تمام خرابیاں مشرقی شاعر کے دامن سے

وابستہ ہیں۔ کسی نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ مغربی شعراء میں سے کوئی شاعر شاعری کا دعویدار ہوا ہو۔ جب تک کہ وہ فن سے کما حقہٗ واقف نہ ہوگیا ہو۔ مگر مشرقی شعراء اس کے خلاف ہیں یعنی مشرقی شاعری عموماً اور اردو شاعری خصوصاً اس عمل ناکمل کا جس کے عامل رخسار گل و بلبل تک محدود رہ کر شاہراہ ترقی پر گامزن نہ ہو سکے۔

مگر مغربی شعراء نے حسن فطرت۔ درس عبرت۔ مناظر قدرت۔ وغیرہ کو اس خوبی سے لکھا کہ جس سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچا۔ اور ان کی قوم آج دنیا میں فاتح شمار کیجاتی ہے۔ وہاں شعراء کی وہ قدر و منزلت کیجاتی ہے کہ ایک کتاب کا تصنیف کرنیوالا تمام عمر کے لئے مالا مال ہو جاتا ہے۔ شعرائے مشرق بھی خواب غفلت سے بیدار ہو چلے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ بام ترقی کی جانب جا رہے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد بھی کم ہے لیکن اگر ایسی ہی کوشش بروے کار آئی تو کچھ دنوں کے بعد شعرائے مغرب سے بڑھ چڑھ کر نہ رہے تو انشاء اللہ کم بھی نہ رہینگے۔

شعر گوئی دراصل واردات قلب کا نام ہے۔ یعنی جو کچھ کہیں اپنے صحیح جذبات اور عملی تجربہ کے ماتحت کہیں۔ اگر شاعر ایسا نہیں کر سکتا تو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ حقیقی شاعروں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانے کیلئے ضد کرے۔ اور دنیا اس کی نقالی کو حقیقی شاعری سمجھے۔

فی زمانا ہندوستان میں شاعری کے دو رنگ سمجھے جاتے ہیں۔ ایک قدیم۔ دوسرا جدید۔ قدیم شاعری کے تحت میں وہ اشعار ہیں جن میں زبان اور محاورات

کے چٹخارے اور معاملات ہیں جو جلد سمجھ میں آجاتے ہیں۔

جدید شاعری وہ سمجھی جاتی ہے جس میں پُرشکوہ الفاظ۔ معانی کی رفعت۔ اور تخئیل بلند ہوتا ہے۔ شاعری نے جو آج تک پانچ اور دو وسات دَور ختم کئے ہیں انمیں ہر دَور اپنے گزشتہ دَور سے زیادہ متین زیادہ بلند اور زیادہ علمی و ادبی ہوتا چلا آرہا ہے۔ لیکن زمانے نے دَور ہفتم یعنی داؔغ۔ آمیرؔ اور جلاؔل کے معیار ترکیبی کو ہمیشہ کیلئے قبول کرلیا ہے۔ اور وہی معیار ملک میں اب تک صحیح سمجھا جارہا ہے جس شعر میں غالبؔ کا سا تخئیل اور شوکت۔ داؔغ کی سلاست۔ آمیرؔ کی مضمون آفرینی اور جلاؔل کی سی گرمی ہو وہ شعر مذاق سلیم کے لئے ارتقائے شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ اور آج وہی شاعر کامیاب ہے جو شاعری کے ان عناصر اربع کو اپنے کلام سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ جو اشخاص اس راز کو سمجھ گئے ہیں وہ قدیم و جدید شاعری کے امتیاز سے ناواقف نہیں۔

شاعری کا منشاء صرف یہی نہیں کہ ہم میدان تغزل تک محدود رہیں۔ اور خلوتوں میں عورتوں سے باتیں کرتے رہیں۔ بلکہ اب ہمارا موضوع شاعری درس و تعلیم اصلاح تہذیب حقائق و معارف اور فطرت کی مصوری تک وسیع ہوچکا ہے۔ زبان میں شوکت پیدا ہوچکی ہے۔ اور ہم نفسیات و جذبات کی قوتوں سے کام لینے لگے ہیں۔ آج وہی لوگ صاحب کمال سمجھے جاتے ہیں جن کی شاعری معاملہ بندی اور داستان عشق و محبت پر مبنی نہیں جن کے کلام میں قوت و اثر ہے۔ جو زبان

اور محاورات کی صحت کے ساتھ اپنے مذاق کی بلندی کی رفعت اور طبعیت کے اجتہاد کا ثبوت دے رہے ہیں۔ وہی لوگ قابل ستائش اور آفریں ہیں۔

اس تمہید کے بعد مجھے جو کچھ لکھنا ہے وہ جناب محمد عمر صاحب خلیلؔ کھنڈوی کی شاعری سے متعلق ہے۔ خلیلؔ صاحب سے تعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ صاحب تصنیف ہیں۔ ایک مفید کتاب جس کا نام "نکات شاعری" ہے [illegible] میں اور ایک واسوخت عنقریب [illegible] چھپا ہے۔ علاوہ ازیں دو ناول اور ایک ڈرامہ آپ کی تصنیفات میں سے قلمی ہے۔ ابتداً آپ جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب عبدؔ دہلوی مقیم کھنڈوہ کے شاگرد ہوئے ۱۹۲۶ء میں کسی وجہ سے اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر کراچی تشریف لا[illegible] کے مشاعروں میں شریک ہو کر حاضرین بزم کو اپنے کلام بلاغت نظام سے محظو[illegible] فرماتے رہے ہیں۔ اس وقت سے جسے چھ سال کی مدت ہوتی ہے وقتاً فوقتاً فصیح البیان۔ بلیغ الکلام حضرت مولٰنا منظور احمد صاحب افسر صدیقی امروہوی سے بھی اصلاح لیتے رہے ہیں۔

خلیلؔ صاحب نے طبعیت ایسی حاضر پائی ہے کہ جب لکھنے بیٹھ گئے چالیس پچاس شعر کہنا ان کے لئے کوئی بات نہیں۔ چنانچہ ایک مشاعرے کی طرح پر آپ نے ڈھائی سو اشعار کہے۔ کئی مرتبہ ایسے واقع پیش آئے کہ مشاعرے کے روز تک آپ کی غزل تیار نہ تھی [illegible] جب علم ہوا تو تنگیٔ وقت کے باوجود مشاعرہ میں جا کر غزل پڑھی۔ اس [illegible] آپ کی روانی طبع کا پتہ چلتا ہے۔

فطرتاً آپ سادہ لوح واقع ہوئے ہیں۔ مگر طبیعت شگفتہ ہے۔ اس لئے لوگوں سے کم ملا کرتے ہیں۔ بایں ہمہ جس سے مانوس ہو جاتے ہیں ہمیشہ کے لئے اس سے ملتے رہتے ہیں۔ آپ منکسر المزاج ہیں اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ باوجودیکہ آپ معمولی حیثیت کے آدمی ہیں مگر فیاض واقع ہوئے ہیں۔ یہاں تک خلیل صاحب کی پرائیویٹ لائف پر رائے زنی کی گئی ہے۔ اب میں اُن کے کلام کے بارے میں چند سطور لکھتا ہوں۔ پہلی غزل کا مطلع ہے

جنوں کہتے ہیں جسکو نام ہے توحید یزداں کا
الف اللہ کا نقشہ ہے اک چاک گریباں کا

مضامین گریباں کی فراوانی اور اس مخصوص زمین میں شعرائے اُردو کی نکتہ سنجی کا کیا ٹھکانا۔ حضرتِ افسر کی تالیف "اندوختہ گریباں" کا مطالعہ کیجئے تو شاید کچھ اندازہ ہو جس میں بلا مبالغہ سیکڑوں شاعروں کے ہزاروں اشعار درج ہیں۔ ایسی حالت میں گریباں کا قافیہ لکھنا اور پھر اس انداز سے کہ شعرائے ماقبل سے جداگانہ صورت رکھتا ہو ذرا مشکل کام تھا لیکن خلیل صاحب نے اپنی طبیعت کی رسائی سے اس میں کامیابی حاصل کی۔ چاک گریباں کی اس نسبت سے کہ وہ الف کے مشابہ ہے جنوں کو توحید یزداں کا ہم معنی ثابت کرنا جدتِ تخیل کا ثبوت ہے۔

تری یکتائی کا مقصد تو ہی مشہور ہو جانا
مری غفلت شعاری ہی ترا مستور ہو جانا

آئینہ کا وجود اس غرض سے ہوتا ہے کہ جو شخص اس سے دوبدو ہو اس کی صورت کا عکس بالمقابل پیش کر دے اگر اس میں صورت دیکھنے والا موجود نہ ہو تو اس سے آئینے کی

تقصیر ثابت نہیں ہوتی۔ شعر کا مفہوم بھی یہی ہے کہ مطلوب حقیقی کا مقصد تو یکتائی سے یہ تھا کہ مشہور عالم ہو لیکن طالبانِ کاذب نے اپنی غفلت شعاری کے باعث فائدہ نہیں اٹھایا اور اس کو مستور ہونے پر مجبور کیا۔

جستجو نے نہ دیا اذنِ اقامت مجھکو ایک اک بزم سے ہو کر میں پریشان نکلا

شاعر اپنی پریشانی کو کس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ تیری تلاش نے مجھے ٹھہرنے کی اجازت ہی نہ دی۔ لفظ ایک ایک نے مصرع ثانی میں جان ڈالدی یعنی ایک ایک بزم سے میں پریشان ہو کر نکلا [illegible] تمام بزموں میں سوائے پریشانی کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مضمون کی [illegible] علاوہ شعر کی ترکیب بھی جاذب توجہ ہے۔

[illegible]بت میں یعنی میرے دل پر کہ جیسے داغ نمایاں ہو ماہِ کامل پر

[illegible] زخم محبت کی نہیں بلکہ اپنے دل کی ہے جس کو ماہِ کامل سے تشبیہ دی گئی ہے مراد یہ ہے کہ میرے دل پر زخم محبت کا نشان اس طرح پائدار ہو کر رہ گیا ہے جس طرح ماہِ کامل میں داغ۔

ایک وہ دن تھے کہ تیری جستجو تھی رات دن ایک یہ دن ہیں کہ ہمیں اپنا پتا ملتا نہیں

معرفت کا ایک زبردست مسئلہ حل کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں ایک وہ دن تھا کہ رات دن [illegible] تلاش تھی اور اب یہ دن ہیں کہ مجھے اپنا بھی پتا نہیں ملتا۔ یعنی اس قدر قرب حاصل ہوا [illegible] میں تیری ذات میں جذب ہو گیا۔ دریا کا پانی اسی وقت مصروف روانی رہتا ہے جب تک سمندر تک نہیں پہنچتا اور جب وہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو کوئی نہیں

کہہ سکتا کہ دریا کون سا ہے اور سمندر کون سا۔

اپنے ہو لئے تھے ہم تیری جستجو کی تھی شروع
تجھ کو کیا پایا کہ اب اپنا پتا ملتا نہیں

یہ شعر بھی مرقومہ بالا کا نقش ثانی ہے۔

کہہ رہی ہے ہستیٔ موہوم ہر اک چیز کی
دیکھنے والے حقیقت کی نظر پیدا کریں

کس قادر پُر معرفت شعر فرمایا ہے کہ دنیائے فانی کی ہر ایک شے زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ ہم کو جو دیکھے تو پہلے حقیقت کی نظر پیدا کرے جب تک حقیقت پر نظر نہ ہوگی اصلیت سے واقفیت نہ ہو سکے گی ہستیٔ موہوم کی ترکیب قابلِ غور ہے۔ ... کا اپنے وجود میں اس قدر سریع الفنا ہونا یوں تو ایک معمولی سی بات اور روز... ہے لیکن حقیقت کی نظر رکھنے والے اس سے اپنی فنائیت اور ماورا... کی بقا کا ثبوت نہیں بلکہ یقین کامل کر سکتے ہیں۔

ملائک سر بسجدہ ہوں خلیل اس کا سبب یہ تھا
کہ تھی دولت محبت کی نہاں پہلوئے انساں میں

شعر میں اشارہ کیا گیا ہے اس امانتِ الٰہی کی جانب جس کے قبول کرنے سے تمام مخلوقات نے معذوری ظاہر کی۔ اور انسان نے خندہ پیشانی کے ساتھ اس بارِ گراں کو دولت بے بہا سمجھ کر اپنے آغوش میں لے لیا۔ یہی چیز تھی جس سے آدمی اشرف المخلوقات بھی سمجھا گیا۔ اور ملائک کا مسجود بھی قرار دیا گیا۔

ہم نے یہ مانا زمانے کا تفکر کم نہیں
ہے خیالِ یار اگر قائم تو کوئی غم نہیں

نفسیاتی مسئلہ ہے کہ انسان ہو یا جن و ملک اگر اس کے دل میں ایک خیال جاگزیں